POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 August 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
# ہماری زبان

اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 23-08-2025 • Price: 5/- • 1-7 September 2025 • Issue: 33 • Vol:84

یکم تا ۷ ستمبر ۲۰۲۵ء • شمارہ: ۳۳ • جلد: ۸۴

## ہندستان کے فارسی میں تہذیبی و اخلاقی سرمایے کا عروج و زوال

عارف عزیز

ہندستان میں فارسی زبان و ادب کی ترقی مغلوں کی خصوصی سرپرستی کا نتیجہ ہے، جس کے بعد فارسی نہ صرف سرکاری بلکہ ادبی و تہذیبی زبان کے درجے پر فائز ہوگئی۔ بادشاہوں، شہزادوں اور سلاطین نے بھی اِس زبان کو تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا، یہاں تک کہ اُن کی توجہ سے سنسکرت کے مختلف علوم و فنون کی کتابیں فارسی میں منتقل کی گئیں۔ مہابھارت، گیتا، اُپنشد، جوگ وششٹھ وغیرہ کے ترجمے نے ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے فروغ اور ہندستانی زبانوں کو فارسی سے قریب کرنے میں مدد کی، اِس دور میں اور اس سے پہلے بھی ہندستان کے طول و عرض میں تعمیر ہونے والی عمارات پر فارسی کے کتبات، نقوش اور طغرے فارسی کی وسیع و عریض فرمانروائی کا بیّن ثبوت ہیں۔ اس زمانے میں فارسی زبان کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ سرکار و دربار میں ہی نہیں بلکہ میلوں و ٹھیلوں میں بھی یہی زبان رائج تھی، جو فارسی نہیں جانتے وہ غیر تعلیم یافتہ کہلاتے تھے، اس کی شیرینی، تر و تازگی، ہمہ گیری اور دلکشی کے آگے دوسری زبانوں نے ایک طرح سے خود سپردگی کر دی تھی، اِس دور کے تعلیمی و تہذیبی ادارے جو ملک کے چپے چپے پر قائم تھے، مندروں، مسجدوں اور صاحبِ حیثیت ہندو مسلمانوں کی دیوڑھیوں اور بیٹھکوں میں چل رہے تھے اور اُن میں ہندو مسلمانوں کے بچے جو کتابیں پڑھ رہے تھے، وہ فارسی میں تھیں، خاص طور پر کریما یا مقیما، گلستاں، بوستاں، پندنامہ اور انوارِ سہیلی کا پڑھنا ہر طالبِ علم کے لیے ضروری تھا۔ اِس سے آگے بڑھتے تو حافظ شیرازی، عرفی، نظیری، مولانا روم اور فردوسی کی غزلیات، قصائد، مثنوی اور شاہنامے کی تعلیم دی جاتی۔

اِن کتابوں کے درس و تعلیم کا نتیجہ صرف یہ نہیں نکلا کہ نئی نسل کو فارسی زبان میں مہارت حاصل ہوگئی، یہ بھی ہوا کہ اِن کتابوں میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے اخلاقی محاسن، تہذیبی نکات اور فکر کی پاکیزگی سے بھی وہ ایسی متعارف ہوگئی کہ اُس کے آگے اخلاقی پستی، ذہنی کثافت، عریانیت، و فحاشی یا غیر شریفانہ عادات و اطوار دماغ میں جگہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ اِسی اخلاقی و تہذیبی برتری کا نتیجہ تھا کہ ہندستان کے باشندے عرصے تک انگریزوں کی فکری یلغار اور اُن کی تہذیبی چمک و دمک سے متاثر نہیں ہوئے اور فوجی و عسکری سطح پر شکست کھانے کے باوجود اُن کی تہذیب اور کلچرل کے آگے خود سپردگی پر آمادہ نہ ہوئے۔ اِس کے بجاے وہ انگریزوں کی تہذیب کو قابلِ نفرت اور اُن کے وجود کو اِتنا بڑا دشمن گردانتے رہے کہ کسی انگریز سے ہاتھ ملانے کے روادار بھی نہ تھے۔ اگر ایسی مجبوری آجاتی تو ہاتھ دھونا ضروری سمجھتے تھے۔

اِس تہذیب اور اِس کلچر نے ہندستانیوں کو ذہنی طور پر اِتنا بلند بنا دیا تھا کہ محکوم ہونے کے باوجود انگریزوں کو اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے اور فرنگی تہذیب کو شیطانی تہذیب قرار دیتے تھے۔ اس صورتِ حال کی موجودگی میں انگریزوں کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ اُس زبان کو ختم کرنے کی فکر سب سے پہلے کریں جو اِس ذہنی پاکیزگی اور تہذیبی برتری کا سرچشمہ ہے، اِس ایک ضرورت اور ناگزیر سبب کے سوا اِس زبان کو ختم کرنے کے فیصلے میں ایک دوسرا اور اہم مقصد یہ بھی شامل تھا کہ ہندستان کے تہذیبی رشتے کو باقی دنیا سے منقطع کر دیا جائے۔ فارسی زبان کے چلن کی بدولت ہندستان کا رشتہ نہ صرف افغانستان بلکہ اس سے بھی آگے ایران، ماوراء النہر، یعنی بخارا، سمرقند، تاشقند، آرمینیا اور آذربائیجان تک کے علاقوں سے براہِ راست قائم تھا۔ یہ علاقے اُس وقت تک چین اور روس کے زیرِ اقتدار نہیں آئے تھے، انگریز ہندستان کی تاریخ اور اُس کی تقدیر پر افغانستان اور ایران کے فیصلہ کن اثرات سے بخوبی واقف تھے اور اُن خطرات سے بھی جو مستقبل میں اِن ملکوں کی طرف سے ہوسکتے تھے۔ آج کے ہندستان میں یہ بات خواہ عجیب اور معمولی سمجھی جائے، لیکن انگریزوں کے دورِ حکومت میں 1920 بلکہ 1930 تک افغانستان کی حکومت ہندستان میں انگریزی اقتدار کے لیے سب سے بڑا خطرہ مانی جاتی تھی اِس کی ایک مثال کابل میں ہندستان کی 'جلاوطن' حکومت کے قیام کی صورت میں، تاریخ کے صفحات پر رقم ہے اور اِسی لیے انگریز جس ہندستان کو تاج برطانیہ کا سب سے قیمتی ہیرا قرار دیتے تھے، افغانستان کے امکانی حملوں سے محفوظ رکھنے کی فکر اور سازشوں میں مسلسل مصروف رہے۔

ہندستان سے فارسی کے چلن اور یہاں کی سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں سے فارسی کے تہذیبی پس منظر کو مٹا دینے کے فیصلے کے مطابق ہی انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج میں دیسی زبانوں کو ترقی دے کر فارسی کے مقابلے میں کھڑا کر دینے کی جد و جہد شروع کی تھی اور اس مقصد سے انھوں نے ایسی سرگرمی، ایسی دل چسپی اور انہماک کے ساتھ کام کیا کہ مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہونے سے پہلے پہلے اردو اور انگریزی زبانیں علمی اور لسانی اعتبار سے پائیدار بنیادوں پر کھڑی ہوگئیں۔ اِس عرصے میں انھوں نے ایک طرف انگریزی زبان کی تعلیم اور اس تعلیم کے ساتھ معاشی فائدے وابستہ کر دیے اور دوسری طرف دیسی زبانوں کی مقبولیت میں اضافے کر کے اُن کا چلن عام کرنے اور انھیں سرکاری زبان کی حیثیت سے اپنی سرپرستی میں آگے بڑھانے کی ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ فارسی زبان یہاں کے تعلیمی، معاشرتی، سماجی اور سرکاری اداروں سے مکمل طور پر بے دخل ہوگئی اور رفتہ رفتہ یہ وقت آگیا کہ وہ ہندستان میں ایک اجنبی، بیرونی اور غیر ملکی زبان کی حیثیت تک پہنچ گئی۔

ہندستانی مشاہیر میں گرامی چشتی فارسی کے آخری شاعر تھے اور پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد وہ آخری آدمی تھے جنھوں نے فارسی کی مکتبی تعلیم مسجد کے اُس مدرسے میں حاصل کی تھی جس کا وجود بیسویں صدی کی ابتدا تک قائم تھا۔ فارسی زبان کی تعلیم اور رواج کے خاتمہ کا نقصان صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ پڑوسی ملکوں، افغانستان، ایران اور روس و چین، ترکستان کے ساتھ ہمارے لسانی اور تہذیبی روابط ختم ہوگئے اور تہذیبی تعلقات کے احیا اور استواری کی آسان اور فطری بنیادیں موجود نہ رہیں بلکہ ہندستانی تہذیبِ سعدی کی دانش و حکمت، حافظ کی متصوفانہ اور حکیمانہ سرشاری، مولانا روم کی مضطرب روحانی جستجو اور بلندی پروازی، عطار کی پند و نصیحت سے بھرپور اخلاقی تعلیم، فردوسی کے پُرشکوہ رزمیہ اندازِ بیان، عرفی و نظیری کی شوکتِ خیالی کے لازوال خزانوں سے محروم ہوگئی، اسی طرح اخلاقی تربیت نیز بلند خیالی کا وہ سرچشمہ خشک ہوگیا جو صدیوں تک ہندستانی تہذیب کی سیرابی، سرسبزی اور شادابی کا سبب بنتا رہا ہے۔

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

زیادہ دور کی بات نہیں اب سے پچھتّر برس پہلے تک کوئی سوچ نہیں سکتا تھا کہ ہندستان میں ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب کہ فارسی کا چلن اس ملک سے ختم کر دیا جائے گا اور اِس کے جاننے والے تلاش کرنا پڑیں گے۔ تقسیم ملک سے پہلے تک اس مشترکہ تہذیب کا وقار اور عظمت جس کی نشو و نما میں فارسی زبان اور اُس کے اندر سموئے ہوئے کلچر نے سب سے بڑا حصہ لیا تھا اس حد تک باقی تھی کہ خالص ہندو ریاستوں میں راجاؤں اور اُن کے راجکماروں کے لیے فارسی کی تعلیم ضروری سمجھی جاتی تھی، نہ صرف جے پور، جودھ پور، گوالیار، کپورتھلہ اور پٹیالہ جیسی غیر مسلم ریاستوں میں سرکاری طور پر فارسی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ نیپال تک کے شاہی خاندان کے لیے فارسی اور اردو کی باقاعدہ تعلیم ضروری خیال کی جاتی تھی اور اسے مہذب ہونے کی سند اور ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن تقسیم کے بعد یہ صورت باقی نہ رہ سکی۔ مرحوم راجہ محمود آباد کے بقول:

"مغل سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہندستانی مسلمانوں کے پاس دولت، حکومت، تجارت اور سیاسی قوت میں سے کوئی چیز باقی نہ رہی اور ایک کلچر کے سوا کوئی ایسا اثاثہ نہ بچا، جس کی بنا پر وہ برادرانِ وطن پر اپنی برتری ثابت کر سکتے تھے۔ یہ امتیاز بھی تقسیم کے بعد ختم ہو گیا۔ اِس نقصان کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ کتنا بڑا خسارہ ہے۔"

آج ملک بھر میں جس اخلاقی انحطاط کا ماتم برپا ہے اور نئی نسل کے اندر روز افزوں وحشت کے رجحانات تشویشناک بنے ہوئے ہیں۔ تعلیم گاہوں اور دانش کدوں میں اخلاقی تعلیم کو از سرِ نو جاری کرنے کا جو شدید احساس دکھائی دے رہا ہے۔ وہ دراصل اسی کمی کا نتیجہ ہے جو فارسی کلچر کے زوال اور فارسی تعلیم کی منسوخی کے باعث پیدا ہو گئی ہے، جس قوم کے بچوں کے ذہن کا مرقع گلستاں اور بوستاں کی موعظت، پندنامہ عطار کی حکمت و اخلاق، حافظ کی ژرف نگاہی، مثنوی مولانا روم کی آفاقیت اور روحانی تاثیر، نظیری اور عرفی کے قصائد کی شوکتِ خیال اور فردوسی کے شاہنامہ کی بنائی ہوئی رنگا رنگ اور پُرشکوہ تصویروں سے مزین اور آراستہ ہو وہ کم ظرفی، وحشت مزاجی، بداخلاقی اور بدکرداری کو آسانی کے ساتھ قبول کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ کتابیں جو صدیوں تک ہمارے اسلاف کے ذہنوں اور اجتماعی کردار پر سایہ ڈالتی رہی ہیں، رفتہ رفتہ غیر مروج ہو کر نایاب ہو گئیں اور عرصہ ہوا ہندستان کے لوگ اِن کے بیش قیمت فوائد سے محروم ہو گئے ہیں۔ اِس نقصان کا ایک نتیجہ تو اس وحشت انگیزی اور بداخلاقی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جو نئی نسلوں کے افعال و کردار میں گویا سرایت کر گیا ہے۔ دوسرا نتیجہ جس کا تعلق خالص لسانی اور تہذیبی دائرے سے ہے وہ اسلوب و افکار کے تنوع اور وسعت سے محرومی کا ہے۔ سعدی، نظیری، مولانا روم، حافظ اور فردوسی کے مذکورہ افکار و خیالات، تعلیم اور تربیتی عناصر کے ساتھ ہمارے تہذیبی رشتوں کا خاتمہ جنھوں نے صدیوں تک نہ صرف ہندستان کی مشترکہ تہذیب و تمدن کے باغ کو سینچے بلکہ دنیا کے ادبِ عالیہ کو متاثر کرنے کی بے مثال قوت کا مظاہرہ کیا۔ یقیناً ایک ایسا نقصانِ عظیم ہے جس کی تلافی کی کوشش ایسی عظیم خدمت کہی جا سکتی ہے جس سے زیادہ تحسین و تعریف کی مستحق کوئی دوسری خدمت نہیں ہو سکتی۔

اس لیے ہندستان میں آج جو جامعات، کالج یا دوسری درسگاہیں فارسی زبان و ادب کی تعلیم کا نظام چلا رہے ہیں، اُن کی ملک و قوم کو قدر اور حکومت کو اُن کی بقا کی فکر کرنا چاہیے۔

---

**عارف عزیز**
20- گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob.09425673760

# خوشبوؤں کی شاعرہ پروین شاکر

سراج زیبائی

اردو شاعری میں نسائی لب و لہجے کی بات جب آتی ہے تو ہمارا ذہن ممتاز شاعرہ پروین شاکر کی جانب مبذول ہو جاتا ہے۔ پروین شاکر کی شاعری میں فکر و فلسفے کی آمیزش سے ایک توانا آواز اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ ایسی معتبر آواز جس نے غزل کو فکر و اظہار کی نئی وسعتیں دیں اور جدید شاعری کو تازہ کار افکار و اعتبار عطا کیا۔ اردو شاعری کو انھوں نے ایک نئی فکر عطا کی اور ایک نیا اندازِ نظر بخشا۔ پروین شاکر نے اپنی غزلوں میں کئی طرح کے رنگ بھرے ہیں۔ ان میں پیار کا رنگ بہت ہی گہرا ہے۔ انھوں نے نرم شیریں سبک اور لوچ دار لفظوں کے استعمال سے شاعری میں غنائیت پیدا کی ہے۔ ان کی غزلوں نے اپنے شاعرانہ محاسن اور فن کارانہ خوبیوں کی بدولت قبولِ عام کا درجہ حاصل کیا۔ پروین شاکر نے شاعری کو نئی وسعتوں سے آشنا کر کے اس میں نئی تبدیلیاں لانے کی لہر تیز کی۔ اردو شاعری میں اظہار کے نئے پیرایوں کو فروغ دینے میں پروین شاکر کی خدمات کو بڑا دخل ہے۔ انھوں نے غزل کو خاص دل کشی اور خوب صورتی عطا کی اور اس کی قبا کو تار تار ہونے سے بچایا، کہتی ہیں:

بزمِ انجم میں قبا خاک کی پہنی میں نے
اور میری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے

انھوں نے غزل کو روایات کے گھٹن زدہ ماحول سے نکالا اور آزری کی طرح غزل کو تراشا تو غزل آزاد فضاؤں میں سانس لینے لگی۔

پروین کی شاعری مشاہدہ، وجدان و عرفان کی شاعری ہے جو روح کو بہجت اور توانائی عطا کرتی ہے۔ 1952 میں کراچی پاکستان میں جنمی پروین شاکر کے والد کا نام سیّد شاکر حسن تھا۔ انھوں نے نہ صرف اردو ادب میں جامعہ کراچی سے اعلا سند حاصل کی بلکہ امریکہ ٹرینی کالج سے بھی تعلیم پائی اور پھر ہارورڈ یونی ورسٹی سے بینک ایڈمنسٹریشن میں بھی ایم.اے. کی ڈگری حاصل کی۔ دورانِ تعلیم وہ بہت سارے علمی و ادبی مباحثوں میں حصہ لیا کرتی تھیں۔ وہ 9 سال تک درس و تدریس کے شعبے سے بھی وابستہ رہیں۔ ان کی شاعری پوری نسائی کیفیات سے معمور ہوتی ہے۔ اس میں سب سے نمایاں اور اہم موضوع تانیثیت اور عورت کے مسائل ہیں۔ جبر و استحصال، فرد کی مظلومیت، سسکیاں اور حالات کا جبر بھی ان کی شاعری کے خاص موضوعات ہیں۔ اس ضمن میں ان کے یہ چند شعر ملاحظہ ہوں:

عقب میں گہرا سمندر ہے سامنے جنگل
کس انتہا پہ مرا مہربان چھوڑ گیا

---

ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اُتر جائے گا

---

زمین ہوں میں مرا ظرف آسماں کا ہے
کہ ٹوٹ کر بھی مرا حوصلہ چٹان کا ہے

امجد اسلام امجد نے پروین شاکر کی شاعری کی بابت بڑی خوب صورت بات کہی تھی کہ "پروین کی شاعری میں ایک لڑکی کی آواز سنائی دے گی۔ ایک ایسی لڑکی کی آواز جو خوب صورت پھول چننا بھی جانتی ہے، انھیں گلدان میں سجانا بھی"۔ چند خوب صورت شعر اس حوالے سے ملاحظہ ہوں:

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

---

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا

سما کے ابر میں برسات کے امنگ میں ہوں
ہوا میں جذب ہوں، خوشبو کے انگ انگ میں ہوں

پروین کی غزلوں کی لطیف نفسیاتی کیفیات دلوں کو چھو لیتی ہیں۔ ان کی شاعری فکر اور جذبے کی آمیزش سے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ ان کی غزلیں ان کی وجدانی سفر کی دلکش داستانیں سناتی ہیں۔ اس شاعرہ میں زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی جو جرأت ہے وہی ان کے شعروں میں نظر آتی ہے:

بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
میں دل سے روؤں گی آنکھوں سے مسکراؤں گی

---

بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے

---

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا

پروین نے اپنی بکھری ہوئی زندگی کو پوری شدت سے جینے کی کوشش کی ہے، اس لیے ان کی شاعری میں ایک عام کردار کے ٹوٹنے بکھرنے کی کیفیت ملتی ہے۔ ان کی شاعری سے ان کی وارداتِ قلبی اور غمِ جاناں کے ساتھ غمِ دوراں کی بھی بے شمار پرتیں کھلتی نظر آتی ہیں۔ زندگی کے مختلف نشیب و فراز و نزاکتوں سے پروین شاکر خوب واقف تھیں، جبھی تو ان کے بیشتر شعر ان کے شعلۂ کرب سے گزرے ہیں۔

غزلوں کو پروین شاکر نے اپنا خاص لہجہ، اپنا آہنگ اور اپنی آواز عطا کی ہے۔ انھوں نے اپنے تخلیقی سفر میں راہوں کے پیچ و خم سے گزرتے ہوئے اپنے پاؤں کے کانٹے خود ہی نکالے ہیں، یہ کہتے ہوئے:

چلنے کا حوصلہ نہیں رکنا محال کر دیا
عشق کے اس سفر نے تو مجھ کو نڈھال کر دیا

جمالیاتی اعتبار سے پروین شاکر کے اشعار یقیناً چونکا دینے والے اشعار ہیں۔ انھوں نے وارداتِ عشق اور شکستہ زندگی کے تجربات کو نہایت خلوص اور سچائی کے ساتھ ہو بہو کچھ اس طرح بیان کر دیا:

مجھے تیری محبت نے عجب اک روشنی بخشی
میں اس دنیا کو اب پہلے سے بہتر دیکھ سکتی ہوں

---

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

---

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

---

بس یہ ہوا کہ اس نے تکلف سے بات کی
اور ہم نے روتے روتے دوپٹے بھگو دیے

اس طرح پروین شاکر کی شاعری میں جدائی کا کرب پوری طرح سمٹ آیا ہے۔ ان کے اکثر اشعار ان کے روحانی کرب اور ذہنی کشمکش کے غماز ہیں۔ اپنی شاعری میں انھوں نے اپنی شکستگی، ناکامی اور ناآسودگی کا برملا اظہار کیا ہے۔ وہ نہایت احتیاط سے اپنے دلی جذبات و احساسات کو شعری پیکر کی شکل میں کاغذ پر یوں انڈیلتی ہیں:

خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس و خاشاک سے ہے

ان کی شاعری بہتی ندی کی طرح مدھر سنگیت سناتی اور پڑھنے والوں کو مسحور کر دیتی ہے:

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

---

رات کے شاید ایک بجے ہیں سوتا ہوگا میرا چاند

---

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا

یہ شعر وصل کی کیفیت کو بڑی خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں:

آج ملبوس میں ہے کیسی تھکن کی خوشبو
رات بھر جاگی ہوئی جیسے دلہن کی خوشبو
پیرہن میرا مگر اس کے بدن کی خوشبو
اس کی ترتیب ہے ایک ایک شکن کی خوشبو

اس طرح خوب صورت اور بالکل آسان لفظیات کو برتنے کا سلیقہ پروین شاکر میں ہے اور وہ ہر ایک کے دل میں گھر کر لیتا ہے۔

پروین کی ایسی ہی خوب صورت شاعری پڑھ کر احمد ندیم قاسمی فرماتے ہیں: ''پروین شاکر کوئی بات بھی اپنے قاری سے کبھی نہیں چھپاتی۔ اس نے محبت کے جذبے کی حیرت انگیز تہذیب کی ہے۔ اس پامال موضوع کو رفعت بخشی ہے اور اس کی قدامت کو جدت میں بدل دیا ہے۔''

پروین شاکر کی کائناتِ شاعری میں کلی طور سے جمالیاتی فضا جلوہ گر ہے:

رات جب پھول کے رخسار پہ دھیرے سے جھکی
چاند نے جھک کے کہا 'اور ذرا آہستہ'
خامشی میں بھی وہ باتیں اس کی
شعر کہتی ہوئی آنکھیں اس کی

یہ سچ ہے کہ غزل نے پروین شاکر پر جادو کر دیا تھا اور وہ اس سحر میں گرفتار ہو گئی تھیں۔ لفظوں کا برمحل استعمال اور ان سے نئے معنی و مفاہیم پیدا کرنا بڑا مشکل عمل ہے، لیکن پروین شاکر اس راہ سے بآسانی گزر گئیں۔ ان کے سحر انگیز شعروں کو پڑھ کر ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا لہجہ منفرد اور ان کی زبان نہایت تربیت یافتہ ہے۔ مستند اربابِ نقد و نظر کی موقر اور معتبر آرا پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہوئے ادبی حلقوں میں آپ کی شاعری بہ نظرِ استحسان دیکھی جانے کے قابل ہے۔ ان کے متعدد اشعار ہمیں نئی دنیاؤں کی سیر کراتے ہوئے فکر و آگہی کے نئے در وا کرتے ہیں۔ ان شعروں میں محبوب کے ہجر کا کرب اس طرح دیکھنے کو ملتا ہے:

دور رہ کر بھی سدا رہتی ہے
مجھ کو تھامے ہوئے باہیں اس کی
تجھ کو کھو کر بھی رہوں خلوتِ جاں میں تیری
جیت پائی ہے محبت میں عجب مات کے ساتھ
ہمیں خبر ہے ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں

پروین شاکر کی شاعری میں جہاں زندگی کی شادمانی دیکھی جاتی ہے وہیں جیون کی تلخیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان کی شاعری ہمیں بڑی خوب صورت (fantasy) دنیا کی بھی سیر کراتی ہوئی چمکیلے، روشن جگمگ کرتے ہوئے ان کے استعارے قاری کو وجدانی کیفیت سے سرشار کرتے ہیں۔ پروین کا سوزِ نہاں، مجروح آرزوئں، تمناؤں اور مشاہدوں کا اظہار توجہ طلب یہ اشعار نئی اردو غزل کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں:

میں اپنی دوستی کو شہر میں رسوا نہیں کرتی
محبت میں بھی کرتی ہوں مگر چرچا نہیں کرتی

---

کانپ اٹھتی ہوں میں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے کوئی

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تمام اصناف بلاتفریقِ نظم و نثر عشق کی پناہ میں رہے ہیں۔ کرداروں میں تحرک پیدا کرنے کا واحد سبب عشق ہی ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

اور سلطان قلی قطب شاہ عشق کی بابت کہتے ہیں

جو کوئی عشق میں ثابت ہے جینا ہے سدا اس کا
تو اس کے نام سے میخانہ سب معمور کر ساقی

اور ناسخ کا فرمان ہے:

جو ملے بیخود مجھے سمجھوں ترا عاشق اسے
خود فراموشی نشاں ہے یار تیری یاد کا

حیران آنکھیں اور اداس مسکراہٹیں لیے یہ البیلی شاعرہ جب شعری محفلوں میں اپنی خوب صورت شاعری سناتی تو سب کی نگاہیں خیرہ کر جاتی تھیں اور اسے سن کر سارے مبہوت ہو جاتے تھے۔ خیالات کی ندرت و جودت، مسحور کرتا اندازِ تکلم۔ ہمارے نسائی ادب میں اب شاید ہی کوئی اس کا بدل آئے، اس کی امید کم ہے۔ اس نے ہمارے اردو ادب کو اپنی انوکھی شاعری سے مالا مال کر دیا تھا۔

محترمہ کی پہلی ہی شعری تصنیف 'خوشبو' کو آدم جی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے علاوہ پاکستان کا اعلا شہری اعزاز 'تمغۂ حسنِ کارکردگی' بھی انھیں عطا کیا گیا۔ ان کی شاعری کے ترجمے انگریزی زبان کے علاوہ جاپانی اور ہندی زبانوں میں بھی شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ چوں کہ پروین شاکر کا آبائی وطن گیا (ہندستان) تھا۔ 1947 میں ان کے والد کراچی ہجرت کر گئے۔ پروین کی پیدائش اور نشو و نما پاکستان ہی میں ہوئی۔ پھر بھی ہندستان سے گہری وابستگی رہی۔ اسی مناسبت سے انھوں نے اپنی شاعری میں بعض جگہوں پر ہندی الفاظ کا بھی برجستہ استعمال کیا ہے۔ جیسے پریم، مدھر، سنسار، روپ سکھی رنگ، دیس سندیس، آدرش، ساجن، گوری نین وغیرہ۔

غزل کو ہمارے نقادوں نے نیم وحشی صنف کہہ کر اس کی وقعت گھٹانے کی کوشش کی لیکن پروین شاکر جیسی بے باک شاعرہ نے اپنی خوب صورت اور زندۂ جاوید غزلیں کہہ کر غزل کی قبا کو تار تار ہونے سے بچایا اور اس کو پناہ گاہ عطا کی۔ پھر کیا تھا غزل پورے وقار و تمکنت کے ساتھ شاہی درباروں میں اپنے جلوے دکھانے لگی۔ جہاں غزل ناموس استعاروں اور پھسپھسی ترکیبوں میں اُلجھی رہی وہیں پروین شاکر جیسی شاعرات اور دیگر نامی گرامی شاعروں نے اس صنف کو محبوبیت عطا کی۔ پروین شاکر کی شاعری میں آپ کو بھرپور تازگی اور رعنائی ملے گی۔ ان کی شاعری مشاہدہ اور عرفان و وجدان کی شاعری ہے جو روح کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔ ایسی ہی شاعری سے ہمارا آسمانِ سخن روشن ہے۔ ان کی شاعری میں خونِ جگر سے لکھی ہوئی سچائیاں ہوتی ہیں۔ انسانی رشتوں کی خوب صورت داستانیں ہوتی ہیں:

آمد پہ تیری عطر و چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

ان کی عمدہ شاعری کو پڑھ کر فہمیدہ ریاض کہتی ہیں۔ ''پروین شاکر کے اشعار میں لوک گیت کی سادگی اور کلاسیکی موسیقی کی نزاکت بھی ہے۔ ان کی نظمیں اور غزلیں بھولے پن اور نفاست کا دل آویز سنگم ہے''۔ پروین شاکر کے شعری مجموعے خوشبو (1976)، صد برگ (1980)، خود کلامی (1990)، انکار (1990)، ماہِ تمام (1994) کافی مقبول ہوئے۔

پروین شاکر کے چند زندۂ جاوید اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں:

یارب مرے سکوت کو نغمہ سرائی دے
زخمِ ہنر کو حوصلۂ لب کشائی دے
شہرِ سخن سے روح کو وہ آشنائی دے
آنکھیں بھی بند رکھوں تو رستہ سجھائی دے

---

اک نام کیا لکھا ترا ساحل کی ریت پر
پھر عمر بھر ہوا سے مری دشمنی رہی

---

دشمنوں کے ساتھ میرے دوست بھی آزاد ہیں
دیکھنا ہے کھینچتا ہے مجھ پہ پہلا تیر کون

---

یوں بچھڑنا بھی بہت آساں نہ تھا اس سے مگر
جاتے جاتے اس کا مڑ مڑ کر دوبارہ دیکھنا

---

نم ہیں پلکیں تری اے موجِ ہوا رات کے ساتھ
کیا تجھے بھی کوئی یاد آتا ہے برسات کے ساتھ

پروین شاکر کی شاعری تصنع سے بالکل پاک ہوتی ہے جس میں سلاست، نرم روی اور روانی اس قدر ہوتی ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ جس طرح پروین شاکر نے کتابوں اور رسالوں کے حوالے سے مقبولیت حاصل کی، اسی طرح پاکستان اور دنیا بھر میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں بھی قابلِ رشک مقام بنا لیا تھا۔ 26 دسمبر 1994 کو صبح آفس جاتے وقت ان کی کار ایک سڑک حادثے کی زد میں آ گئی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکیں اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملیں۔ پاکستان کی ایک سڑک کو انھیں کے نام سے منسوب کیا گیا۔

غرض پروین شاکر اپنی زندۂ جاوید شاعری کی بدولت ادبی سرمایے میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی، اپنے اس شعر کی طرح:

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

---

**سراج زیبائی**
(شیموگہ، کرناٹک)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile: 8296694020

# اردو دُنیا

## اردو کے 80 طلبہ و طالبات کو پڑھانے کے لیے استاد نہیں

## سنسکرت اور انگریزی کے لیے بھی اساتذہ نہیں ہیں

اورنگ آباد (25 اگست)۔ اوبرا بلاک کے مڈل اسکول کلین میں اساتذہ کی کمی کی وجہ سے تدریسی سلسلہ متاثر ہورہا ہے۔ اسکول میں اردو کے طلبہ کی تعداد 80 ہے لیکن اردو کا کوئی استاد نہیں ہے۔ اسکول میں سنسکرت اور انگریزی کے بھی اساتذہ نہیں ہیں، جس کی وجہ سے پڑھائی نہیں ہورہی ہے۔ اسکول میں اساتذہ کی تعداد آٹھ ہے لیکن پڑھنے والے طلبہ کی تعداد 430 ہے۔ روزانہ 350 سے 360 طلبہ آتے ہیں مگر اسکول میں تعلیم دینے والے اساتذہ کا فقدان ہے۔ اساتذہ کے مطابق کمروں کی تعداد 10 ہے۔ ایک کمرے میں لائبریری اور دوسرے میں دفتر ہے۔

اسکول میں پہلی سے آٹھویں جماعت تک تعلیم دی جاتی ہے۔ چھٹی جماعت کے طلبہ کی تعداد 86 ہے۔ یہاں کمروں کی ضرورت ہے۔ اسکول میں زیرِ تعلیم طلبہ کو انگریزی اور سنسکرت نہیں پڑھائی جاتی۔ دونوں مضامین اہم ہیں، لیکن اساتذہ کی کمی کے سبب مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔ اسکول میں طلبہ کی تعداد بڑھ رہی ہے جس کے حساب سے اساتذہ کی تعداد کم ہے۔

اسکول میں اردو، سنسکرت اور انگریزی کے اساتذہ کی تعیناتی ضروری ہے۔ صدر مدرّس ونود پرساد نے کہا کہ اساتذہ کی کمی کی وجہ سے پریشانی ہورہی ہے۔ طالبات کے لیے بیت الخلا کی کمی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ضلع ایجوکیشن افسر کو تین مضامین میں اساتذہ کی عدمِ دستیابی سے آگاہ کردیا گیا ہے مگر اساتذہ کو ابھی تک تعینات نہیں کیا گیا۔

(انقلاب۔ دہلی)

## کشمیر سے اُردو کو قصداً ختم کیا جارہا ہے

### سری نگر میں سائن بورڈوں سے اُردو غائب، ہندی اور انگریزی کا قبضہ

سری نگر (23 اگست)۔ سری نگر میں ہندی اور انگریزی کے نئے سائن بورڈوں نے تنازع کو جنم دیا ہے کیوں کہ جموں و کشمیر کی سرکاری زبان اردو کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ یہ تنازع اُس وقت شروع ہوا جب سوشل میڈیا ہینڈل کشمیر ٹوئیٹس نے راج باغ میں سری نگر میونسپل کارپوریشن (ایس ایم سی) کے ذریعے لگائے گئے انکم ٹیکس محکمے کے سائن بورڈ کی تصویر پوسٹ کی۔ پوسٹ میں پوچھا گیا کہ 'کیا ہندی نے جموں و کشمیر میں سرکاری زبان کے طور پر اردو کی جگہ لے لی ہے؟ ایس ایم سی سری نگر برائے مہربانی وضاحت کرے!' بہت سے سیاسی رہنماؤں اور شہریوں نے اس اقدام کے ذریعے ثقافتی شناخت کو دانستہ طور پر مٹانے کا اقدام قرار دیا۔ سابق وزیر اور پی ڈی پی لیڈر نعیم اختر نے کہا ''کشمیر میں ہندی سے تقریباً کوئی واقف نہیں ہے جب کہ اکثریت اردو پڑھ اور بول سکتی ہے۔ یہ پہلی بار ہے کہ مرکزی حکومت کا سائن بورڈ صرف ہندی اور انگریزی میں دیکھ رہا ہوں، وہ بھی اردو کے بغیر۔'' ایک صارف نے لکھا: ''لوگوں کو یہ بتانے کا زبردست طریقہ ہے کہ ہماری زبان کو بھی کچھ رنگوں سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اردو کو خاموشی سے نظر انداز کرنا صرف ایک کاسمیٹک تبدیلی نہیں ہے بلکہ یہ ثقافتی شناخت اور تاریخ کو مٹانے کی دانستہ کوشش ہے۔''

خیال رہے کہ مہاراجا پرتاپ سنگھ نے 1889 میں فارسی کی جگہ اردو کو جموں و کشمیر کی سرکاری زبان قرار دیا تھا۔ آزادی کے بعد 2019 میں آرٹیکل 370 کی منسوخی تک اردو اور انگریزی سرکاری زبانیں رہیں، جب کہ جموں و کشمیر سرکاری زبان ایکٹ کے تحت کشمیری، ڈوگری اور ہندی کو شامل کیا گیا۔ واضح رہے کہ گذشتہ ماہ سنٹرل ایڈمنسٹریٹو ٹریبونل نے نائب تحصیلدار کے عہدوں کے لیے درخواست دینے والے امیدواروں کے لیے لازمی اہلیت سے اردو کو ہٹادیا جس سے مزید خدشات بڑھ گئے۔ اگرچہ سری نگر میونسپلٹی عمر عبداللہ کے زیرِ قیادت نیشنل کانفرنس کے تحت ہے لیکن لال چوک کے ایم ایل اے احسن پردیسی نے اپنی پارٹی کو اس سے دور رکھا۔ انھوں نے کہا کہ ''اس طرح کے اقدام ہماری حکومت کو منظور نہیں ہیں۔'' (انقلاب۔ دہلی)

## اردو اسکول میں ہندی داں ہیڈ ٹیچر کو نہیں جوائن کرانے سے کشیدگی

پٹنہ۔ پرائمری ایجوکیشن بہار کی ڈائرکٹر ساحلہ کے مکتوب 1934/ 14-07-2025 نے پورے بہار کی اردو آبادی کو مایوس کیا ہے۔ 90 فیصدی اردو پرائمری اسکولوں میں ہندی داں ہیڈ ٹیچر کو بحال کردیا گیا ہے۔ موصول ہورہی خبروں کے مطابق بہت سارے اسکولوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اور اساتذہ کافی دباو میں ہیں، وہیں اس سب کا بہت بُرا اثر بچوں کی تعلیم پر پڑا ہے۔ یہ باتیں قومی اساتذہ تنظیم بہار کے ریاستی کنوینر محمد رفیع نے کہا ہے۔ جناب رفیع نے بتایا کہ ویشالی ضلع قومی اساتذہ تنظیم کے کنوینر محمد شاہ نواز عطا، اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن ویشالی کے صدر محمد عظیم الدین انصاری و دیگر سے یہ خبر موصول ہورہی ہے کہ کئی اردو اسکولوں میں ہندی ہیڈ ٹیچر کو جوائن نہیں کرانے سے عوام دو گروہوں میں منقسم ہوگئی۔ ادھر مظفر پور میں اردو پرائمری اسکول مادھو پور میں عوام نے ہندی داں ہیڈ ٹیچر کو جوائن نہیں کرنے دیا اور اسکول میں جوائن کرنے پہنچے ہیڈ ٹیچر رتنیش کمار سے لوگوں نے کہا کہ ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، ہمارا احتجاج اور غصہ تو انتظامیہ کے خلاف ہے۔ اسکول کے موجودہ پرنسپل انچارج جناب ضرغام اور نو مامور ہیڈ ٹیچر رتنیش کمار نے بلاک تعلیمی افسر منٹو کماری سے اس سلسلے میں رہنمائی کے لیے رابطہ کیا ہے۔ محکمۂ تعلیم کے افسران اسکول پر دباو بنا رہے ہیں کہ وہ رتنیش کمار کو جوائن کرنے دیں۔ اس بیچ سبھی اساتذہ کافی دباو میں ہیں۔ اردو پرائمری اسکول مادھو پور کے استاد غلام سرور نے قومی اساتذہ تنظیم بہار کے صدر جناب تاج العارفین کو فون کرکے بتایا کہ ہم لوگ کافی دباو میں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ افسران کی طرف سے یہ خبر موصول ہورہی ہے کہ مجھے معطل بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس درمیان محمد رفیع نے گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈائرکٹر پرائمری ایجوکیشن بہار نے تعلیمی اداروں میں ہیڈ ٹیچر کی پوسٹنگ سے جو غیر اطمینانی کا ماحول قائم کیا ہے اس کا بہت بُرا اثر تعلیمی نظام پر ہوگا۔ جناب رفیع نے کہا کہ بچہ اپنے ماحول میں اور اپنی زبان میں ہی بہتر طریقے سے سیکھ سکتا ہے۔ اساتذہ بھی اپنے ماحول ہی میں بہتر رزلٹ دے سکتا ہے اور ہیڈ ٹیچر کی پوسٹنگ اس میں رکاوٹ بن گئی ہے۔ محترمہ ساحلہ کو اس بات کا خیال رکھتے ہوئے اور مکتوب نمبر 1934/14-07-2025 کو رد کرکے اردو اسکولوں کی الگ لسٹ بناکر اس میں صرف اردو زبان جاننے والے کو ہی ہیڈ ٹیچر کی شکل میں بحال کرنا چاہیے۔ جناب رفیع نے یہ بھی کہا کہ جن لوگوں نے مجھ سے رابطہ کیا ہے اُن سے میں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر آپ نے ہندی ہیڈ ٹیچر کو مجبوراً جوائن کرایا تو ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ یہ اردو اسکول ہے، یہاں تعلیم کا میڈیم اردو زبان ہے اور تمام ریکارڈس اردو رسمِ خط میں ہیں جس سے کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ ہم لوگ برداشت نہیں کریں گے، ہاں آپ کو اردو نہیں آتی ہے تو آپ محبت سے ہماری حمایت حاصل کرسکتے ہیں نہیں تو آپ اردو جاننے والا اسسٹنٹ لے کر آئیں۔ جناب رفیع نے یہ بھی کہا کہ قومی اساتذہ تنظیم بہار اردو اسکولوں کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہے اور لیگل قدم بھی اٹھایا جارہا ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

## وِکست بھارت کی بنیادوں میں اردو سمیت ہندوستان کی تمام زبانوں کی ترقی شامل ہے: ڈاکٹر شمس اقبال

## فروغِ اردو کے لیے اردو تعلیم کے نظام کو استحکام بخشنا ضروری: شفیع مشہدی

### قومی اردو کونسل کا سہ روزہ سمینار بعنوان 'اردو زبان کا مستقبل وکست بھارت 2047@ کے تناظر میں' اختتام پذیر

پٹنہ/ نئی دہلی (23 اگست، پریس ریلیز)۔ قومی اردو کونسل کے زیرِ اہتمام سہ روزہ سمینار بعنوان 'اردو زبان کا مستقبل وکست بھارت 2047@ کے تناظر میں' بہ حسن و خوبی آج اختتام پذیر ہوا۔ اختتامی اجلاس کی صدارت جناب شفیع مشہدی نے کی، جب کہ مہمانِ خصوصی پروفیسر اعجاز علی ارشد اور مہمانانِ اعزازی پروفیسر ارتضٰی کریم اور جناب امتیاز احمد کریمی تھے۔

جناب شفیع مشہدی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ وکست بھارت کے تناظر میں اردو زبان کا مستقبل یقیناً قابلِ تشویش ہے اور ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے کہ وکست بھارت میں اردو ریڈرشپ اور اردو کے تصنیفی سرمایے کی نوعیت کیا ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ اگلے پچیس برسوں میں وکست بھارت تو یقینی ہے مگر وکست اردو کے لیے ہمیں بیداری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ شفیع مشہدی نے کہا کہ اردو کے مستقبل کے تحفظ کے لیے تعلیم کی سطح پر اردو کی ترویج نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر ہم اردو کے مستقبل کے تئیں مطمئن نہیں ہوسکتے۔

مہمان خصوصی پروفیسر اعجاز علی ارشد نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان ہر زمانے میں اپنے دور کے سماجی رویوں اور روایات کی نمائندہ رہی ہے اور بدلتے حالات میں اس نے اپنے اندر تبدیلی بھی پیدا کی ہے، لہٰذا یہ توقع کی جانی چاہیے کہ وکست بھارت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہماری زبان کی نثر اور شعر دونوں میں ایسی تخلیقات سامنے آئیں گی جو تقاضاے عہد سے ہم آہنگ اور خوش اسلوبی کی آئینہ دار ہوں گی۔

پروفیسر ارتضٰی کریم نے اپنے خطاب میں کہا کہ وکست بھارت کے حوالے سے اردو زبان و ادب میں متوقع تبدیلیوں اور انقلابات پر غور و خوض اور تبادلۂ خیال کے ذیل میں یہ سمینار نہایت کارگر رہا۔ انھوں نے کہا وکست بھارت میں اردو زبان کے ادبی و تصنیفی سرمایے میں اوریجنلیٹی پر زور دینے کے ساتھ سرقے کا سراغ لگانے کے لیے تکنیکی ذرائع کا اکتشاف و استعمال ضروری ہے، اسی طرح انٹرنیٹ پر موجود کتابوں کو یونی کوڈ ورژن میں دستیاب کرانا بھی ضروری ہے، تاکہ اردو مواد انٹرنیٹ پر بہ آسانی تلاش کیا جاسکے۔ انھوں نے کہا کہ وکست بھارت میں اردو کے مستقبل کے تحفظ لیے ٹکنالوجی کا نہایت مفید اور موثر استعمال کرنا ہوگا۔

امتیاز احمد کریمی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ قومی اردو کونسل کا یہ سہ روزہ سمینار نہایت کامیاب رہا جس میں اسکالرز اور دانشوران نے وکست بھارت کے تناظر میں اردو ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

## تلنگانہ ماڈل اسکولوں میں تقریباً 50 ہزار اسامیاں خالی

حیدرآباد (15 اگست)۔ ریاست بھر میں مفت معیاری تعلیم فراہم کرنے کے مشن کے ساتھ ایک دہے قبل شروع کیے گئے تلنگانہ ماڈل اسکولس اب اسامیوں کو پُر کرنے کے سلسلے میں جدوجہد کر رہے ہیں کیوں کہ اس تعلیمی سال میں 50,718 اسامیاں خالی رہنے کی اطلاعات ہیں۔ فی الوقت 194 ماڈل اسکولس سیکنڈری اسکول سرٹیفکٹ (ایس ایس سی) کے تحت 6 تا 10 اور تلنگانہ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کے تحت انٹرمیڈیٹ کورسس کی تعلیم فراہم کرتے ہیں۔ کلاس 6 تا 12 میں دستیاب 1.59 لاکھ سیٹوں میں سے صرف تقریباً 1.1 لاکھ طلبہ ہی نے داخلہ لیا ہے جو گذشتہ سال کے 1.3 لاکھ داخلوں کے مقابلے بہت کم ہے۔ ذرائع نے کہا کہ اس کمی کی ایک بڑی وجہ انٹرمیڈیٹ میں ایم ای سی اور سی ای سی اسٹریمس میں داخلوں میں کافی کمی ہے۔ ایم ای سی اور سی ای سی کورسز میں بالترتیب 7469 اور 1966 سیٹیں خالی ہیں۔ تلنگانہ ماڈل اسکولس کے ایک عہدیدار نے شناخت ظاہر نہ کرنے کی شرط کے ساتھ کہا کہ ایم ای سی اور سی ای سی اسٹریمس میں داخلوں میں کافی کمی ہوئی ہے کیوں کہ زیادہ تر طلبہ ایم پی سی اور بی پی سی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ (سیاست۔حیدرآباد)

## اساتذہ کی خالی اسامیوں پر جلد تقرری کا مطالبہ

میدک (11 اگست)۔ پی آر ٹی یو کے ریاستی ایسوسی ایٹ صدر ایل ملا ریڈی نے حکومتِ تلنگانہ سے مطالبہ کیا ہے کہ ماضی میں کیے گئے وعدے کے مطابق ریاست بھر کے پرائمری اسکولوں میں پی ایس ایچ ایم (پرائمری اسکول ہیڈ ماسٹر) کی دس ہزار خالی اسامیوں کو جلد از جلد ترقی کے ذریعے پُر کیا جائے تاکہ معیاری تعلیم کو فروغ دیا جا سکے۔ میدک میں میڈیا سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ کئی سیکنڈری گریڈ اساتذہ 20 تا 30 سال خدمات انجام دینے کے باوجود بغیر کسی ترقی کے وظیفہ یاب ہو رہے ہیں جو کہ ناانصافی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تدریسی عملہ تدریس کے بجائے غیر تدریسی ذمے داریوں کے بوجھ تلے دب چکا ہے جس سے تعلیم کا معیار متاثر ہو رہا ہے۔ انھوں نے نشان دہی کی کہ ایف ایل این نتائج کا اندراج، ایف آر ایس، دوپہر کے کھانے کی اسکیم، ورک بُکس اور نوٹ بُکس کی تقسیم، پودوں کی تفصیلات، یوڈائس اندراج اور دیگر غیر تدریسی امور میں اساتذہ کا بیش تر وقت صرف ہو جاتا ہے۔ انھوں نے محکمۂ تعلیم کے حکام سے اپیل کی کہ ہر پرائمری اسکول میں ایک پی ایس ایچ ایم پوسٹ لازمی فراہم کی جائے اور اساتذہ کو غیر تدریسی ذمے داریوں سے مکمل طور پر الگ رکھا جائے تاکہ طلبہ کو بہتر اور معیاری تعلیم مل سکے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

## ضلع کلکٹر نرمل کو انجمن فروغِ اُردو کے وفد کی یادداشت

نرمل (7 اگست)۔ انجمن فروغِ اُردو، نرمل کے ایک وفد نے صدرِ انجمن حبیب احمد الجیلانی کی قیادت میں ضلعی دفاتر کمپلیکس (کلکٹریٹ) نرمل پہنچ کر ضلع کلکٹر محترمہ ابھیلا شا ابھینو سے ملاقات کی اور انجمن فروغِ اردو، نرمل کی ضلع میں طلبہ کی لسانی اور ثقافتی ترقی کے بارے میں گہری فکر مندی سے واقف کرواتے ہوئے ضلع کلکٹر کو لازمی طور پر تمام میڈیم (تلگو، انگریزی، ہندی وغیرہ) کے سرکاری و خانگی اسکولوں میں دوسری سرکاری زبان اردو کو بطورِ مضمون پڑھانے کو یقینی بنانے کے لیے عملی اقدام کرنے کا مطالبہ کیا۔ ضلع کلکٹر کو بتایا گیا کہ تلنگانہ کے بہت سے حصوں میں اردو داں طبقے کی ایک قابلِ ذکر آبادی ہے جن کے لیے اردو مادری زبان ہے یا ثقافتی طور پر ایک اہم زبان ہے۔ ضلع کلکٹر کو بتایا گیا کہ اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کرنا اس کی تاریخی، ثقافتی اور انتظامی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

تاہم یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے اسکول، خاص طور پر خانگی تعلیمی ادارے اور وہ تعلیمی ادارے جو انگریزی میڈیم تعلیم فراہم کرتے ہیں، اردو کو اختیاری یا لازمی مضمون کے طور پر نہیں پڑھا رہے ہیں جس کی وجہ سے اردو داں طبقے کے طلبہ کا نقصان ہو رہا ہے اور وہ اپنی مادری زبان پڑھنے سے محروم ہیں۔ ضلع کلکٹر سے خواہش کی گئی کہ اس معاملے میں ان کی فوری مداخلت نرمل کے اردو پڑھنے کے خواہش مند طلبہ کو بہت فائدہ دے گی اور انھیں لسانی مہارتوں کے اعتبار سے بااختیار بنائے گی اور ہمارے مشترکہ ورثے کے ایک اہم حصے کو محفوظ رکھے گی۔ آخر میں اس سلسلے میں ضلع کلکٹر کو تحریری یادداشت پیش کی گئی۔ ضلع کلکٹر محترمہ ابھیلا شا ابھینو نے وفد کے خیالات کی بغور سماعت کے بعد اس مقصد کے لیے درکار مثبت اقدام کرنے اور ریاستی حکومت کو بھی اس سلسلے میں عملی اقدام کے لیے مکتوب روانہ کرنے کا یقین دلایا۔ بعد ازاں وفد نے ضلع مہتمم تعلیمات پی. رامارائو سے کلکٹریٹ کمپلیکس میں واقع ان کے دفتر میں ملاقات کرتے ہوئے اس سلسلے میں انھیں بھی تحریری یادداشت پیش کی۔ انجمن فروغِ اردو، نرمل کے اس وفد میں سیّد اظہر حسین، خواجہ ہدایت علی، محمد عبدالوہاب، محمد شمس الدین، فیض احمد خاں، ایوب خاں، رفیع احمد قریشی، محمد مجاہد علی اور ایم .اے. وسیم وغیرہ شامل تھے۔

(اعتماد۔حیدرآباد)

## پروین شاکر کی نظمیں ہی پروین کی شناخت ہیں: ڈاکٹر تقی عابدی

### پروین شاکر کی شاعری کے ہر زاویے پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے: پروفیسر صغیر افراہیم

### شعبۂ اردو سی سی ایس یونی ورسٹی میں ’پروین شاکر کی نظمیہ شاعری‘ کے موضوع پر آن لائن پروگرام کا انعقاد

میرٹھ (21 اگست، پریس ریلیز)۔ پروین شاکر کی نظمیں ہی پروین کی شناخت ہیں۔ پروین کی پہلی کتاب ’خوشبو‘ میں نسوانی لہجے کی رمق اور بات کو پرکھنے کا طریقہ ہے۔ انھوں نے اظہارِ بیان، بانکپن اور حقیقت کو بہت کم عمر میں اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ ان کے پاس پابند نظمیں بھی ہیں، آزاد نظمیں اور گیت بھی ہیں۔ پروین شاکر پر بہت کم کام ہوا ہے۔ یہ الفاظ تھے بین الاقوامی شہرت یافتہ معروف ناقد ڈاکٹر تقی عابدی کے جو آیوسا اور شعبۂ اردو کے زیرِ اہتمام منعقد ’پروین شاکر کی نظمیہ شاعری‘ موضوع پر اپنی تقریر کے دوران ادا کر رہے تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ پروین شاکر کے مجموعے ’خوشبو‘ میں معصوم جذبات ملتے ہیں۔ وہ جس طرح لفظ کو استعارہ بنا لیتی ہیں اور لفظ کو متحرک پیکر بنا کر پیش کرتی ہیں وہ اُن کا ہی کمال ہے۔ پروین شاکر پر سائنٹفک طریقے سے کام کرانے کی ضرورت ہے۔

اس سے قبل پروگرام کا آغاز سعید احمد سہارنپوری نے تلاوتِ کلام پاک سے کیا۔ پروگرام کی سرپرستی معروف ناقد و افسانہ نگار اور صدر شعبۂ اردو پروفیسر اسلم جمشید پوری اور ڈاکٹر تقی عابدی [کناڈا] نے فرمائی اور صدارت کے فرائض معروف ادیب و ناقد پروفیسر صغیر افراہیم نے انجام دیے۔ مہمانِ خصوصی کے بطور پروفیسر عارفہ بشریٰ [کشمیر یونی ورسٹی]، مہمانانِ ذی وقار کے بطور ڈاکٹر زین رامش [جھارکھنڈ]، ڈاکٹر روبینہ شبنم [صدر شعبۂ اردو، نواب شیر محمد خاں انسٹی ٹیوٹ، مالیرکوٹلہ] نے شرکت کی۔ مقالہ نگار کے بطور علما نصیب [ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی، میرٹھ] نے شرکت کی۔ پروگرام سے لکھنؤ سے ایوسا کی صدر پروفیسر ریشما پروین بھی جڑی رہیں۔ استقبالیہ فرحت اختر، نظامت عظمیٰ سحر اور شکریے کی رسم عیسیٰ رانا نے ادا کی۔

اس موقعے پر پروفیسر اسلم جمشید پوری نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ پروین شاکر نے اپنی نظموں اور غزلوں میں خواتین کے جذبات کو جس انداز میں پیش کیا ہے اسے صرف وہی پیش کر سکتی تھیں۔ عورت کے ایسے جذبات جن کو صرف ایک عورت ہی بیان کر سکتی ہے اور اس کی ابتدا پروین شاکر نے کی۔ ہندو پاک کے اسکولوں اور کالجوں کے نصابوں میں پروین شاکر کو شامل کیا گیا ہے۔ پروین شاکر نسوانی مسائل کو خوب صورت اور منفرد انداز میں پیش کرنے کا ہنر جانتی تھیں۔

ڈاکٹر روبینہ شبنم نے کہا کہ پروین شاکر کو پاپولر لٹریچر میں ڈال کر ان کے قد کو چھوٹا کیا جا رہا ہے۔ شاید ایسے لوگوں کو ان کی تحریکات اور فیمی نزم کی جانکاری نہیں ہے۔ وہ عورت کے ساتھ ساتھ مرد کو بھی کہیں ہوا، چاند اور کہیں کسی اور نام سے پیش کرتی ہیں۔

ڈاکٹر زین رامش نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ آج کا موضوع بہت اہم ہے اور بامعنی گفتگو ہو رہی ہے۔ پروین شاکر کی فنی کاوشوں کے حوالے سے درجنوں کتابیں آ چکی ہیں۔ ان کی نظمیں اپنے آپ میں منفرد ہیں۔ ان کی نظمیں بہت اہم ہیں، جن میں زندگی کا کرب اور زندگی کے معاملات ملتے ہیں۔ وہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ اپنا تعارف کراتی ہیں۔ ان کی پوری شاعری میں مرد کے لیے سخت جملوں سے پرہیز کیا گیا ہے۔

مہمانِ خصوصی پروفیسر عارفہ بشریٰ نے کہا کہ 70-1960 کی شاعری کے منظر نامے میں پروین شاکر نسائی لب و لہجے کی منفرد آواز بن کر ابھریں۔ ان کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ عورت سے وابستہ ہو کر ان کے مسائل کو پیش کیا۔ انھوں نے اردو غزل کو نئی لفظیات اور نیا لب و لہجہ عطا کیا۔ پروین شاکر انگریزی شاعری سے بھی متاثر رہیں، ان کے یہاں انگریزی نظمیں بھی موجود ہیں۔ انگریزی، فارسی اور اردو کے الفاظ ان کی نظموں کے وقار کو دوبالا کرتے ہیں۔ ان کی نظمیں جدید ہونے کے ساتھ ساتھ منفرد بھی ہیں۔

ایوسا کی صدر پروفیسر ریشما پروین نے کہا کہ آج کا موضوع بڑا اہم رہا اور یہ میرا پسندیدہ موضوع بھی ہے۔ پروین شاکر کے اشعار مجھے اپنی کلاس میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی پڑھاتے تھے جو مجھے آج تک یاد ہیں۔ پروین شاکر میرے دل کے بہت قریب ہیں۔ وہ ہماری نفسیات اور لفظیات کی نقاش ہیں۔ فن کار صرف فن کار ہوتا ہے جو پورے معاشرے کو پیش کرتا ہے۔

اپنے صدارتی خطبے میں پروفیسر صغیر افراہیم نے کہا کہ پروین شاکر کی شاعری کے ہر زاویے پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ پروین شاکر پر آج بہت اہم گفتگو ہوئی اور ان کی نظموں پر بھی اچھی گفتگو رہی۔ آج اگر ہم 2025 میں پروین کی نظموں پر بات کر رہے ہیں تو یہ ان کی انفرادیت کی ہی دلیل ہے۔ پروین شاکر نے صرف عورتوں کو ہی نہیں مَردوں کو بھی اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ پروین شاکر پر ایک بڑے پروگرام کے ساتھ ساتھ ان پر تحقیق کی بہت ضرورت ہے۔

پروگرام سے ڈاکٹر آصف علی، ڈاکٹر شاداب علیم، ڈاکٹر الکا وششٹھ، محمد شمشاد اور دیگر طلبہ و طالبات جڑے رہے۔

◆◆◆

ریت سمادھی

(گیتانجلی شری)

ترجمہ: آفتاب احمد

قیمت: 900 روپے

# نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : حرفِ اشرف
شاعر : سید اشرف برماور
مرتب : ڈاکٹر محمد حنیف شبابؔ
اشاعت : 2025
ضخامت : 360 صفحات
قیمت : 350 روپے
ناشر : ادارہ ادبِ اسلامی ہند، بھٹکل
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

زیرِ نظر کتاب 'حرفِ اشرف' میں سید اشرفؔ برماور کا کلام شامل ہے جسے ڈاکٹر محمد حنیف شبابؔ نے ان کی وفات کے بعد یکجا کر کے شائع کیا ہے۔ سیّد محمد اشرف یکم مارچ 1945 کو پیدا ہوئے اور 73 سال کی عمر میں 7 اپریل 2018 کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد موصوف نے مختلف ملازمتیں اور کاروبار کیا۔ اپنے آخری دور میں انھوں نے زیورات کے ہول سیل کا کام بھی کیا۔ مصروف ترین کاروباری زندگی کے باوجود سید محمد اشرف شعر و شاعری سے بھی والہانہ شغف رکھتے تھے۔ حالاں کہ ان کا کلام ملک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوا لیکن اسے کتابی قالب عطا نہ ہو سکا۔ موصوف کے تخلیقی سفر کو بامِ عروج عطا کرنے میں ادارہ ادبِ اسلامی، بھٹکل کا کلیدی کردار رہا ہے۔ یہاں انھوں نے سماجی و فلاحی کاموں اور خدمتِ خلق کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ سیّد اشرف برماور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے نظریات سے تا عمر متاثر رہے۔ مولانا مودودی کی وفات پر انھوں نے کہا:

باطل سے جس کی جنگ رہی تھی تمام عمر
اشرفؔ جہاں سے آج وہ مردِ خدا گیا

سیّد اشرف برماور تا حیات ادارہ ادبِ اسلامی ہند کے افکار کو عام کرنے کے مشن میں لگے رہے۔ انھوں نے بھٹکل میں 'شمس اسکول' کے قیام و انتظام میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ انھوں نے نوجوان نسل کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سے فلاحی کام کیے۔ در اصل سیّد اشرف برماور نے اپنی شاعری میں راہِ راست سے غافل نئی نسل کی ذہنی کش مکش اور نفسیاتی اُلجھنوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے اور اندازہ کیجیے کہ موصوف نوجوانوں کے مسائل سے کس قدر واقفیت رکھتے تھے:

نوجوانِ وطن کا حال اشرفؔ کچھ نہ پوچھ
اُلجھنیں ذہنوں میں ہیں پژمردگی جذبات میں

سیّد محمد اشرفؔ کے کلام میں احتجاج، حق گوئی اور بے باکی جا بجا موجود ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں ایسے اشعار کہے ہیں جن سے اسلامی ادب اور تعمیری ادب کی مکمل نمائندگی ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں زندگی کے نصب العین پر خاص توجہ دی۔ ان کے اشعار میں ایک خاص طرح کی تڑپ، کسک اور خود اعتمادی کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کے اشعار قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہم جو آنکھوں سے آنکھیں ملانے لگے
ہاتھ جلّاد کے تھرتھرانے لگے

بن گیا ہے خرد کا جنوں راہبر
انقلابات ایسے بھی آنے لگے

سیّد اشرفؔ برماور نے اپنے اشعار میں زندگی کے درد و غم اور کرب ناکی کا بار بار ذکر کیا ہے۔ موصوف نے حیات و قضا کے فلسفے کو جس انداز سے اپنے کلام میں بیان کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رب العزت کی عطا کی ہوئی زندگی کو خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں اس بات کی تلقین کی کہ اپنے لیے جینا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ دوسروں کے لیے اپنی زندگی قربان کرنا زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ انھوں نے اس بارے میں کہا:

ابھی زندگی کی دعا مت کرو
مرض آخری ہے دوا مت کرو
جیو دوسروں کے لیے دوستو
فقط اپنی خاطر جیا مت کرو

سیّد اشرف برماور نے عوام الناس کو اپنے اشعار میں واعظانہ انداز میں بار بار مخاطب کیا ہے۔ وہ عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے گناہوں کا ٹھیکرا دوسروں کے سر مت پھوڑو۔ انھوں نے نصیحت آمیز باتوں کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں پر سیدھا اثر کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں اس بات کی بھی وضاحت کی کہ طنز و طعنے اور بُغض و عداوت وغیرہ رشتوں میں کڑواہٹ کے علاوہ دوستی کو دشمنی میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

لوگ الزام تو اوروں پہ لگا دیتے ہیں
داغ دامن کے مگر خود کے چھپا دیتے ہیں
طنز و طعنے سے کبھی بغض و عداوت سے کبھی
آتشِ عشق کو احباب ہوا دیتے ہیں

بہر کیف! سیّد اشرف برماور کے زیرِ نظر مجموعے میں بہت ہی عمدہ اور دل پر اثر کرنے والی غزلیں، نظمیں اور قطعات موجود ہیں۔ ان کی شاعری میں وعظ و نصیحت کا سیل تلاطم موجزن ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں معیار و وقار کا خاص خیال رکھا۔ اپنے کلام میں نصیحت آمیز باتوں کو شامل کر کے انھوں نے عوام کے قلوب میں خاص مقام بنایا۔ در اصل ان کی تربیت ایسے ماحول میں ہوئی جہاں زندگی میں مقصد کو فوقیت دی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں گل و بُلبُل، حسن و عشق اور ہجر و وصال کی باتوں سے پرہیز کیا ہے۔ موصوف نے لہو کو گرمانے والی شاعری کے ذریعے نئی نسل تک اپنا پیغام پہنچانے کی کامیاب کوشش کی۔ ڈاکٹر محمد حنیف شبابؔ نے اپنے پیش لفظ میں سیّد اشرف برماور کی شاعری اور ان کے کارناموں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی کہ اشرف صاحب نے زیرِ نظر شعری مجموعے کی ترتیب و تدوین کا کام اپنی زندگی میں انھیں سپرد کیا تھا لیکن وہ اسے کتابی صورت میں دیکھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ قادر میراں پٹیل نے سیّد اشرف برماور کی شاعری کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ عنفوانِ شباب میں مولانا محمد اقبال مُلّا مرحوم نے سیّد اشرف جیسے ذہین نوجوان کی ذہنی اور شخصی تربیت کے لیے اپنی نظر میں رکھا۔ مولانا سراج الدین ندوی نے سیّد اشرف برماور کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں لکھا کہ وہ خوش کلام، خوش خصال، خوش مزاج اور خوش گمان انسان تھے۔ زیرِ نظر کتاب میں شامل کلام سے مذکورہ باتوں کی وضاحت بہ آسانی ہوتی ہے۔ بلاشبہ سیّد اشرف برماور تحریکِ اسلامی اور ادارہ ادبِ اسلامی کے ایک فعال اور متحرک رُکن تھے۔ مولانا شفیع مونس، حسن عسکری، ماہر القادری، حفیظ میرٹھی، انتظار نعیم، تابش مہدی، عزیز بگھروی اور ممتاز احمد خاں وغیرہ کی طرح موصوف نے ادارہ ادبِ اسلامی کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ امید قوی ہے کہ زیرِ نظر شعری مجموعہ ادبی حلقوں بالخصوص ادبِ اسلامی اور صالح اقدار کے حامیان میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

◆◆◆

## انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

| کتاب | مصنف / مرتب | قیمت |
|---|---|---|
| میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات) | ڈاکٹر ماجد دیوبندی | 300/- |
| نسخۂ حفیظ الدین احمد | اطہر فاروقی | 1000/- |
| سرودِ عشق | شاہ رُخ جمال | 200/- |
| گل دوگانہ | سیّد کاشف رضا | 300/- |
| مشائخ دہلی کی جامع تاریخ | پروفیسر شریف حسین قاسمی | 700/- |
| مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں) | خلیق احمد نظامی | 4500/- |
| نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ) | معصوم مرادآبادی | 250/- |
| ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری) | ترجمہ: آفتاب احمد | 700/- |
| میں میر میر کر اس کو بہت پکارہا | سرورالہدیٰ | 500/- |
| 1857 کی ان کہی حیرت انگیز داستانیں | شمس الاسلام | 300/- |
| دیووں کا ظہور (الوک اگروال/بینک اگروال) | مترجم: سیّد وجاہت مظہر | 500/- |
| غزل اور فنِ غزل | ڈاکٹر نریش | 200/- |
| فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ | سیّد رضوان علی ندوی | |
| | رؤف پاریکھ | 250/- |
| مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام | ابراہیم افسر | 600/- |
| منیب الرّحمٰن کی ایک صدی | بیدار بخت / انوار احمد | 400/- |
| اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر | رؤف پاریکھ | 300/- |
| رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟ | ڈاکٹر شمس بدایونی | 300/- |
| غروبِ شہر کا وقت | اُسامہ صدیق | 900/- |
| کچھ اُداس نظمیں | ہربنس کھیا | 300/- |
| میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین) | پروفیسر شاہد کمال | 500/- |
| میرا جنون اردو (خطبات و مضامین) | طاہر محمود | 700/- |
| میری خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی) | صدف فاطمہ | 400/- |
| کلیاتِ خطباتِ شبلی | ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | 400/- |
| آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ | ڈاکٹر بشیر بدر | 500/- |
| اداریے (مشفق خواجہ) | محمد صابر | 500/- |
| انورِ عظیم کی ادبی کائنات | فیضان الحق | 700/- |
| بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں) | غلام حیدر | 2400/- |
| تحقیق و توازن | ڈاکٹر نریش | 250/- |
| تحقیقی مباحث | رؤف پاریکھ | 300/- |
| چند فکری و تاریخی عنوانات | پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن | 400/- |
| ریت سمادھی (گیتانجلی شری) | ترجمہ: آفتاب احمد | 900/- |
| حکم سفر دیا تھا کیوں | شانتی ویرکول | 200/- |
| عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو | اقتدار عالم خاں | 350/- |
| قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ) | سیّد ضیاء حیدر | 600/- |
| کتابیاتِ حالی | ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد | 300/- |
| یہ تو عشق کا ہے معاملہ | ڈاکٹر ہلال فرید | 300/- |
| جب دیوں کے سر اُٹھے | ڈاکٹر ہلال فرید | 360/- |
| سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ) | شریف حسین قاسمی | 600/- |
| محرابِ تمنا | فطرت انصاری | 200/- |
| مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر… | میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی | 700/- |
| لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ) | زہرا نگاہ | 500/- |
| In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman) | ترجمہ: بیدار بخت | 500/- |
| سخن افتخار (کلیاتِ افتخار عارف) | افتخار عارف | 1500/- |
| گواہی (شاعری) | گوہر رضا | 500/- |
| میری زمین کی دھوپ (ہندی) | ونود کمار ترپاٹھی بشر | 400/- |
| کھلا دروازہ | ڈاکٹر نریش | 250/- |
| ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ) | محبوب الرحمان فاروقی | 300/- |
| اپنی دنیا آپ پیدا کر | غلام حیدر | 900/- |

# اِس آباد خرابے میں: ایک جائزہ

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

ڈائری میں وہ لکھتے ہیں:

''نا جانے کیوں یہ بات ہر وقت ذہن پر سوار رہتی ہے کہ بیوی بچے بے حس ہیں۔ انھیں میری تگ و دو کا ذرا بھی اندازہ نہیں۔ سوچتا ہوں مہاتما بدھ کی طرح دنیا چھوڑ کر چلا جاؤں مگر میرے سامنے کیا ہے کنواں کھودنا اور پانی پینا''۔

(ص 175)

اخترالایمان کی تین بیٹیاں شہلا، اسماء، رخشندہ اور ایک بیٹا رامش ہیں۔ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کی تعلیم علی گڑھ میں کرائی۔

آپ بیتی کے ابتدائی حصے میں اخترالایمان نے اپنے بچپن کے حالات بیان کیے ہیں۔ وہ اپنے والد کے ساتھ پہلے رکڑی گاؤں گئے، کچھ دن بعد رکڑی چھوڑ کر کمباسی گاؤں اور پھر کمباسی سے عبداللہ پور (جمنانگر) پہنچے۔ ان کی والدہ زیادہ تر اپنے میکے میں رہتی تھیں لیکن ان کو تعلیم کی وجہ سے اپنے والد کے ساتھ ہی رہنا پڑتا تھا اور ان کی زندگی خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ عبداللہ پور میں سگھ مدرسہ پہنچے جو ایک یتیم خانہ تھا، اُن کے والد انھیں امام بنانا چاہتے تھے، اس لیے وہیں رہ کر قرآن شریف حفظ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، پھر ان کا داخلہ ایک سرکاری اسکول میں کرادیا گیا جہاں روزانہ ڈیڑھ میل پیدل چل کر جانا پڑتا تھا۔ ان کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اپنے چچا کے ساتھ دہلی چلے گئے اور ان کا داخلہ مویدالاسلام میں کرادیا جو آج بھی دہلی میں دریا گنج میں بچوں کے گھر کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں ان کی تعلیم چوتھی جماعت سے آٹھویں جماعت تک ہوئی۔ یہاں ان کے ساتھیوں میں خورشیدالاسلام بھی تھے۔ اس کے بعد میٹرک تک کی تعلیم فتح پوری اسکول، دہلی میں حاصل کی۔ انھوں نے دلّی کالج سے بی.اے کیا۔ آٹھویں باب میں انھوں نے بی.اے کرنے کے دوران دوستوں کے ساتھ دہلی سے دہرہ دون اور شملہ کے سفر کا ذکر کیا ہے۔ وہ سب دوست دلّی سے دہرہ دون گاڑی میں گئے اور دہرہ دون سے مسوری اور مسوری سے شملہ سب دوستوں نے دو پہاڑی ملازمین کے ساتھ پیدل سفر کیا۔ وہاں سے بائیس روز بعد گاڑی سے دلّی واپس پہنچے۔ ان کا افسانہ 'الاؤ' کے گرد اسی سفر کی یاد میں معلوم ہوتا ہے۔

(اخترالایمان، مرتّبہ اطہر فاروقی، ص 19)

نویں باب میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ بی.اے کرنے کے بعد کچھ دنوں دہلی ریڈیو اسٹیشن سے وابستہ رہے جہاں ان کی ملاقات راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، ن.م.راشد اور میراجی سے ہوئی۔ ریڈیو کی ملازمت چھوڑ کر انھوں نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں ایم.اے اردو میں داخلہ لیا، مگر تنگ دستی کی وجہ سے ایم.اے کا ایک سال مکمل کرکے وہ تلاشِ معاش میں پونہ چلے گئے۔

گیارہویں باب میں انھوں نے چند خواتین بھی کا ذکر کیا ہے جو اُن کی رومانی طبیعت اور مزاج کا خاصہ تھا۔ وہ ایک اچھے شاعر اور مقرر بھی تھے۔ وہ ایک کُل ہند مباحثے میں شرکت کے لیے دہلی سے علی گڑھ آئے تو انھیں اول انعام دیا گیا۔ انھوں نے جب اپنی چند ابتدائی نظمیں لکھیں جیسے 'ایک لڑکا' اور 'پگڈنڈی' تو سبھی شاعر حیران ہوگئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے جب ان کے نام پر اعتراض کیا تو ردِّعمل کے طور پر اخترالایمان نے ایک نظم بہ عنوان 'میرا نام' کہی جو 'سروساماں' میں شامل ہے۔

اخترالایمان نے حیدرآباد کانفرنس، ترقی پسند تحریک اور حلقۂ اربابِ ذوق کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ بیروت میں ادیبوں کی کانفرنس میں سعادت حسن منٹو، ملک راج آنند، امرت رائے اور سجاد ظہیر کے ساتھ وہ بھی گئے تھے۔ فلمی کہانیاں اور مکالمے لکھنے کے سلسلے میں فلموں کے ڈائرکٹروں کے ساتھ انھیں مختلف ممالک جانے کا موقع ملا جیسے ماریشس، جرمنی، روس، چین، روم اور لندن وغیرہ۔

اس خودنوشت کے آخری باب میں لکھتے ہیں:

''یہ خودنوشت جو 'آباد خرابے' کے عنوان سے لکھی گئی ہے، اس کا نام 'چلتے چلاتے'، 'آپ بیتی'، 'ایک جہاں گرد کی کہانی' یا کچھ اور بھی ہوسکتا تھا مگر محمود ایاز نے 'سوغات' کے اجرا کے لیے کچھ چھاپنے کو مانگا تو میں نے نثر کے کچھ صفحات دے دیے جسے انھوں نے 'اس آباد خرابے میں' کا نام دے دیا۔ یہ انھوں نے میری ایک نظم 'یادیں' کے ایک مصرعے سے لیا ہے:

دیکھو ہم نے کیسے بسر کی اس آباد خرابے میں''

(ص 219)

بیگم سلطانہ ایمان لکھتی ہیں کہ 'اختر صاحب نے یہ خودنوشت بڑی دیانت داری اور سادہ زبان میں لکھی ہے۔ ایک مرتبہ انھیں کاغذات میں ایک مختصر تحریر ملی جو کہیں شائع ہوئی تھی، وہ یوں تھی: 'اخترالایمان ایک واقعہ ہے جو خود بخود وجود میں آگیا'۔

آخری عمر میں اخترالایمان بہت بیمار رہنے لگے تھے اور Dialysis کرواتے تھے۔

اس خودنوشت کی زبان اور اندازِ بیان بہت سادہ اور سلیس ہے۔ پڑھتے وقت کسی طرح کی الجھن نہیں ہوتی۔ چند واقعات ادبی اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ اس مختصر جائزے میں سبھی واقعات کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ 244 صفحات پر مشتمل یہ خودنوشت اس جملے پر ختم ہوتی ہے:

''میں اپنی شاعری کے بارے میں کیا لکھوں، میری عادت ہے کہ میں صرف کام کرتا ہوں اور نتیجہ وقت پر چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ کام بھی وقت ہی کرے گا''۔ (ص 244)

اس خودنوشت کی قدر و قیمت بھی وقت ہی کو کرنی ہے۔

---

**مصیف الرحمن**

شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

# قومی اردو کونسل کا سہ روزہ سمینار بعنوان 'اردو زبان کا مستقبل وکست بھارت 2047@ کے تناظر میں' اختتام پذیر

(بقیہ صفحہ 4 سے آگے)

کے ممکنہ کردار پر بھرپور روشنی ڈالی، اب ضروری ہے کہ اس سمینار کے دوران پیش کی گئی تجاویز پر عمل درآمد کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ اردو میں عصری موضوعات، سائنس، کمپیوٹر سائنس، ڈیٹا سائنس اور مقابلہ جاتی امتحانات کے لیے بھی اردو کتابیں شائع کی جانی چاہئیں۔

اختتامی کلمات ادا کرتے ہوئے قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ وکست بھارت کی بنیادوں میں اردو سمیت ہندستان کی تمام زبانوں کی ترقی شامل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سمینار کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وکست بھارت کے تناظر میں اردو زبان کی تعلیم، ٹکنالوجی سے اس زبان کی ہم آہنگی، ہندوستانی نالج سسٹم اور صحافت، فکشن و شاعری کے شعبوں میں ضروری تبدیلیوں کی نشان دہی کی جائے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک وسیع الجہات موضوع ہے جس پر کچھ اہم نکات اس سمینار میں سامنے آئے ہیں اور توقع ہے کہ اس پر تحقیق، تجزیہ اور علمی و عملی کاوشوں کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ انھوں نے اس سمینار کے انعقاد میں تعاون پیش کرنے والے پٹنہ کے اہلِ علم و دانش، ریسرچ اسکالرز، صحافی برادری اور تمام سامعین و شائقینِ اردو کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ عظیم آباد نے اپنی بے پناہ علم و ادب نوازی کا ثبوت دیا جس کی وجہ سے ہمارا یہ سمینار تاریخی کامیابی سے ہم کنار ہوسکا ہے۔ ان کے اظہارِ تشکر کے ساتھ یہ سہ روزہ سمینار اختتام کو پہنچا۔

قبل ازاں سمینار کا چوتھا اجلاس 'ملک کی تعمیر و ترقی میں اردو صحافت کا کردار' کے عنوان سے منعقد ہوا۔ اس سیشن کی صدارت پروفیسر مشتاق احمد، جناب محمد افضل اور جناب فخرالدین عارفی نے کی، جب کہ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر اسفر فریدی (اردو صحافت میں ہندستانی تہذیب و ثقافت کی عکاسی) اور ڈاکٹر زین شمسی (اردو صحافت اور ہندستان کے معاصر سماجی و ثقافتی مسائل) شامل تھے، شرکاے بحث کے طور پر جناب معین گریڈیہوی، ڈاکٹر شاہد اختر انصاری اور ڈاکٹر صابر رضا رہبر نے اس سیشن میں حصہ لیا۔

پانچویں اجلاس کا عنوان تھا 'اردو فکشن میں سماجی اور ثقافتی جہات (وکست بھارت کے خصوصی حوالے سے)'۔ اس اجلاس کی صدارت جناب مشتاق احمد نوری اور ڈاکٹر علی امام نے کی، جب کہ مقالہ نگاروں میں پروفیسر ابوبکر عباد (اردو فکشن میں دیہی ہندستان کی عکاسی)، پروفیسر شہاب ظفر اعظمی (اردو فکشن میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی عکاسی) اور ڈاکٹر زرنگار یاسمین (اردو فکشن کے کردار اور معاصر ہندستانی سماج) شامل تھے اور شرکاے بحث کے طور پر ڈاکٹر علاءالدین خان اور ڈاکٹر فاروق اعظم اس سیشن کا حصہ تھے۔

سمینار کا چھٹا اجلاس 'اردو شاعری میں ہندستان کی تعمیر و ترقی کا وژن' کے عنوان سے تھا۔ اس کی صدارت پروفیسر جاوید حیات اور پروفیسر صفدر امام قادری نے کی۔ اس اجلاس کے مقالہ نگار پروفیسر ابوبکر رضوی (اردو شاعری میں قومیت کا تصور)، پروفیسر حامد علی خاں (اردو شاعری میں مشترکہ افکار و اقدار کی عکاسی)، ڈاکٹر نسیم احمد نسیم، پروفیسر زین رامش اور پروفیسر زاہدالحق (اردو شاعری اور معاصر سیاسی و سماجی سروکار) تھے۔ جناب بدر محمدی اور ڈاکٹر بالمیکی رام نے بطور شرکاے بحث حصہ لیا۔

اختتامی اجلاس کے بعد 'شامِ غزل' کے پروگرام میں مشہور غزل سنگر امریش مشرا اور ان کی ٹیم نے سامعین کو اپنی خوب صورت گلوکاری سے محظوظ کیا۔

◆◆◆

**اردو ہندی ڈکشنری**

انجمن ترقی اردو (ہند)

قیمت: 300 روپے

**اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری**

مولوی عبدالحق

قیمت: 500 روپے

## اختر الایمان کی خود نوشت

# 'اِس آباد خرابے میں': ایک جائزہ

مصیف الرحمٰن

**خود نوشت** کسی انسان کی زندگی کی وہ روداد ہے جسے وہ خود بیان کرتا ہے۔اس کا موضوع خود مصنف کی ذات ہوتا ہے۔انسان اپنی ذات اور شخصیت کے اظہار کے لیے اپنی خودنوشت سوانحِ حیات لکھتا ہے۔ ہر باشعور انسان کی ایک منفرد ذات اور شخصیت ہوتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کا طویل سفر طے کرتا ہے تو اپنی گذشتہ زندگی کے حالات تحریر کرنا چاہتا ہے۔ اس بیان میں پوری زندگی بھی آسکتی ہے اور زندگی کا کچھ خاص دور یا واقعہ بھی آسکتا ہے جو حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے۔ وہ خاص طور سے اُن واقعات کا ذکر کرتا ہے جن سے اُس کی زندگی متاثر ہوئی اور اُسے اپنی راہ متعین کرنے میں مدد ملی۔ مولانا جعفر تھانیسری کی آپ بیتی 'کالا پانی' کو اردو کی پہلی خودنوشت کہا جاتا ہے۔آلِ احمد سرور کی 'خواب باقی ہیں'، رشید احمد صدیقی کی 'آشفتہ بیانی میری'، خواجہ حسن نظامی کی 'آپ بیتی' اور اختر الایمان کی 'اس آباد خرابے میں' کچھ مشہور آپ بیتیاں ہیں۔ واجد علی شاہ اور منیر شکوہ آبادی نے منظوم آپ بیتیاں بھی لکھیں۔

اختر الایمان کا شمار جدید نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ اتر پردیش میں نجیب آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں گھسیٹ پور میں 12 نومبر 1915 کو پیدا ہوئے، ان کے والد فتح محمد مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اختر الایمان کی ابتدائی تعلیم مختلف گاؤں، قصبوں کے مدرسوں اور اسکولوں میں ہوئی کیوں کہ ان کے والد ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں اپنی سکونت تبدیل کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ان کا تعلیمی سلسلہ متاثر ہوا۔ان کی تعلیم دہلی کے یتیم خانے موید الاسلام اور فتح پوری مسلم ہائی اسکول، دہلی سے بھی ہوئی۔ انھوں نے دہلی میں دلّی کالج سے بی اے پاس کیا اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے اردو ایم.اے کا پہلا سال مکمل کیا۔تنگ دستی کی وجہ سے تلاشِ معاش میں پونہ اور پھر ممبئی چلے گئے۔ان کے دس شعری مجموعے شائع ہوئے۔ پہلا مجموعہ 'گرداب' اور آخری مجموعہ 'زمستان سرد مہری کا' تھا۔ان کی اہم نظمیں: ایک لڑکا، مسجد، یادیں، پگڈنڈی وغیرہ ہیں۔ ان کے شعری مجموعے 'یادیں' کے لیے انھیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا اور 'سرو ساماں' پر اقبال سمّان ملا۔

'اس آباد خرابے میں' اختر الایمان کی خودنوشت سوانحِ حیات ہے جس میں انھوں نے اپنے بچپن سے لے کر آخر عمر تک کے حالات پر بڑی دیانت داری سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ خودنوشت پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔کتاب کی ابتدا میں چند تصویریں ہیں جن میں اختر الایمان کے خاندان کے افراد کے علاوہ سیاسی اور ادبی شخصیات کے ساتھ ان کی تصویریں شامل ہیں۔

یہ خودنوشت ان کے کسی خاص پلان کے تحت وجود میں نہیں آئی۔ ایک روز انھوں نے بغیر کسی آمیزش کے اپنے بارے میں کچھ صفحات لکھ کر چھوڑ دیے۔ بمبئی میں ایک مشاعرے میں بہت سے شاعر اور ادیب آئے تھے، ان میں شہریار بھی تھے۔ اختر الایمان نے وہ صفحات پڑھ کر سنائے تو سب نے بہت پسند کیا۔ کچھ دن بعد محمود ایاز نے اپنے رسالے 'سوغات' کے اجرا کے لیے اختر الایمان سے وہ صفحات لے کر اس میں چھاپ دیے۔ ایاز صاحب کی فرمائش پر اختر الایمان نے خودنوشت باقاعدہ لکھنی شروع کردی۔ ایاز صاحب کے کہنے پر انھوں نے ایک ایک کر کے پندرہ ابواب مکمل کر کے دے دیے۔ انھیں اپنی زندگی کے جو بھی واقعات یاد آتے گئے پوری سچائی اور دیانت داری سے وہ لکھتے رہے۔

اس خودنوشت کے مقدمے میں بیگم سلطانہ ایمان صاحبہ لکھتی ہیں کہ اختر الایمان کی یہ خودنوشت کتابی شکل میں ان کے انتقال کے بعد چھپی۔ وہ خود بھی چاہتے تھے کہ جب تک 'سوغات' میں خودنوشت کا آخری باب نہ چھپ جائے کتاب شائع نہ ہو۔ بیماری کی وجہ سے 9 مارچ 1996 کو ان کا ممبئی میں انتقال ہوگیا۔

اختر الایمان شاعر تھے لیکن فلموں کے مکالمے اور منظر نامے لکھنے کی وجہ سے ان کی نثر میں روانی تھی۔ یہی سبب ہے کہ ان کی جادو بیانی کا اظہار اس آپ بیتی میں پوری طرح نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے بچپن کے دُھندلے دُھندلے نقوش اپنی یادداشت کے سہارے اس انداز سے پیش کیے ہیں کہ ان کی پوری زندگی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ان کی مشہور نظم 'ایک لڑکا' میں بھی ہمیں ان کی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔

اختر الایمان کی فلمی زندگی کا آغاز 44-1943 میں پونہ سے ہوا۔ بمبئی میں انھوں نے پہلی فلم 'قانون' کے نام سے لکھی۔ اس کے علاوہ وقت، پھول اور پتھر، اتفاق، آدمی اور انسان وغیرہ کی اسکرپٹ بھی انھوں نے ہی تحریر کی تھی۔ اس خودنوشت کے دسویں اور تیرہویں باب میں ان کی ڈائری کے صفحات شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کو فلمی دنیا اور اس کے اثرات سے محفوظ رکھا۔ 4 جنوری 1967 کی ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

'اس آباد خرابے میں' اختر الایمان کی خودنوشت سوانحِ حیات ہے جس میں انھوں نے اپنے بچپن سے لے کر آخر عمر تک کے حالات پر بڑی دیانت داری سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ خودنوشت پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتدا میں چند تصویریں ہیں جن میں اختر الایمان کے خاندان کے افراد کے علاوہ سیاسی اور ادبی شخصیات کے ساتھ ان کی تصویریں شامل ہیں۔

یہ خودنوشت ان کے کسی خاص پلان کے تحت وجود میں نہیں آئی۔ ایک روز انھوں نے بغیر کسی آمیزش کے اپنے بارے میں کچھ صفحات لکھ کر چھوڑ دیے۔ بمبئی میں ایک مشاعرے میں بہت سے شاعر اور ادیب آئے تھے، ان میں شہریار بھی تھے۔ اختر الایمان نے وہ صفحات پڑھ کر سنائے تو سب نے بہت پسند کیا۔ کچھ دن بعد محمود ایاز نے اپنے رسالے 'سوغات' کے اجرا کے لیے اختر الایمان سے وہ صفحات لے کر اس میں چھاپ دیے۔ ایاز صاحب کی فرمائش پر اختر الایمان نے خودنوشت باقاعدہ لکھنی شروع کردی۔ ایاز صاحب کے کہنے پر انھوں نے ایک ایک کر کے پندرہ ابواب مکمل کر کے دے دیے۔ انھیں اپنی زندگی کے جو بھی واقعات یاد آتے گئے پوری سچائی اور دیانت داری سے وہ لکھتے رہے۔

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***